

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيِّفُوا عَيْنِي وَلَوْ آيَةً ۖ (دعاء البغدي)

بار اول

۳۳۰۰

وعظ

سلاسل

۵۵

ذکر الموت

(مراقبہ موت)

از افادات

حکیم الامت محمد اشرف علی تھانوی
محدث الملت حضرت مولانا
قندیں سرہ العزیز

عنوانات خواش

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشرو اشاعت: جادوکار العلوم الاسلامیہ کراچی بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون کراچی بلاک: ۴۲۸۰۶۰-۵۲۲۲۲۱۲ فون پرائی مارکیٹ: ۲۵۳۷۲۸

اکتوبر ۱۹۹۸ء

جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ

ذکر الموت

یہ وعظ

یکم جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۳۰ھ کو

بمقام جھنجھانہ ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی اصلاح
کی ضرورت ہے اور اصلاح کے واسطے مراقبہ
موت کا نسخہ استعمال کرنا چاہیے۔ ان شاء اللہ
تعالیٰ جب یہ مراقبہ صحیح ہو جائے گا تو غلطی سے
بھی گناہ نہ ہوگا۔

ذکر الموت

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله نعمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل
عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا
من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادي له
ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان
سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه
وعلى آله واصحابه و بارك وسلم :

اما بعد: فقد قال الله تعالى و لن يؤخر الله نفساً اذا جاء
اجلها والله خبير بما تعملون.

(یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو جبکہ اس کی عمر کی میعاد ختم ہونے پر آجاتی ہے ہرگز
مہلت نہیں دیتے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے)

نافرمانی کا اصل سبب غفلت ہے

کل کے وعظ میں جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی تھیں یہ آیت اس کا تہ
ہے کل اس کا بیان بسطہ ہوا تھا اس لیے آج اس کو پورا کیا جاتا ہے۔ اس آیت
شریف میں ہمارے امراض کے علاج کی طرف حق تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کل
وعظ میں امراض کی تفصیل بیان کی گئی تھی۔ حاصل ان امراض کا یہ ہے کہ ہم

لوگوں کے اندر نافرمانی غالب ہے اور اس کی وجہ غفلت ہے اور ظاہر ہے کہ علاج بالصدہ^(۱) ہوا کرتا ہے۔ اگر مرض سردی کی وجہ سے ہوتا ہے تو معالجہ گرمی سے کرتے ہیں اور اگر گرمی سے مرض ہو تو اس کا علاج سردی سے کیا جاتا ہے۔ غرض سبب کو زائل^(۲) کیا جاتا ہے پس معالجہ کا حاصل ازالہ سبب ہوا^(۳)۔

غفلت کا علاج

پس چونکہ ہمارے تمام امراض کا سبب غفلت ظاہر ہے کہ اس کا علاج ذکر و فکر^(۴) ہے حق تعالیٰ شانہ نے اس جزو آیت میں موت اور بعد الموت^(۵) کو یاد دلایا ہے جو ذکر و فکر کا ایک اہم و انفع فرد^(۶) ہے سبحان اللہ کیا مختصر اور سہل تدبیر ہے کہ اس میں کچھ مجاہدہ و مشقت نہیں کچھ خرچ نہیں۔ دنیا میں چھوٹے چھوٹے امراض کے لیے سینکڑوں روپے صرف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مالی مشقت نہیں۔ کوئی بدنی تعب^(۷) نہیں۔ اس لیے کہ حاصل اس علاج کا موت اور ما بعد الموت کا یاد دلانا ہے کہ آدمی تصور ہی دیر بیٹھ کر سوچ لیا کرے کہ مجھے مرنا ہے اور مر کر قبر میں جانا ہے اور وہاں سانپ بچھو میں یا جنت کے باغ میں اگر اچھے عمل ہیں تو قبر باغ ہے اور اگر برے ہیں تو سانپ بچھو میں اور پھر قبر سے اٹھنا ہے اور حساب کتاب کے لیے پیش ہونا ہے اور پلنسر اٹھ پر چلنا ہے۔ اسی طرح تمام واقعات قیامت کو تفصیلاً یاد کر لیا کرے۔ فرمائیے اس میں کیا دشواری^(۸) ہے کسی آمدنی

(۱) اس کی ضد سے (۲) دور (۳) علاج کا حاصل سبب کو دور کرنا ہے (۴) یاد دہانی اور سرچ بھر (۵) موت اور اس کے بعد ہونے والے واقعات (۶) زیادہ فائدہ مند (۷) تھکاوٹ (۸) مشکل

میں خلل نہیں پڑتا۔ بڑا عذر یہ لوگ یہ پیش کیا کرتے ہیں کہ ہم دنیا دار آدمی ہیں۔ ہم سے کیا ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنے ذہن میں جمایا ہے کہ دین بڑی مشکل شے ہے اور اس میں بڑی مشقت ہے۔ یہی علاج جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔

دین پر عمل کرنا مشکل نہیں

بتلائیے اس میں کیا مشقت ہے کون سے کام میں حرج ہوتا ہے۔ بہت سی اظہار نہیں پر معوائی جاتیں۔ بہت سے وظیفے نہیں بنائے گئے اور منشاء دین^(۱) کو بیماری اور مشقت کی چیز سمجھنے کا یہ ہوا کہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک جماعت ایسی ہے کہ تسبیح ان کے ہاتھ میں ہے اور رات دن سوائے درود و دعا ذکر و فکر و تلاوت قرآن شریف اور ذکر کی ضروریوں کے ان کا کوئی کام نہیں۔ نہ وہ تجارت کرتے ہیں نہ وہ زراعت کے کام کے ہیں نہ وہ نوکری کر سکتے ہیں۔ سوائے اللہ و رسول اللہ ﷺ کے ذکر کے ان کو دنیا کا کوئی کام نہیں۔ اس سے یہ سمجھے کہ دیندار ایسے ہی ہوتے ہیں اور جو ایسا نہ ہو وہ دیندار نہیں لہذا ہم کیسے دیندار ہو سکتے ہیں ہم تو تجارت، نوکری، زراعت میں مبتلا ہیں۔ دنیا کے سینکڑوں دھندے^(۲) ہم کو لگے ہوئے ہیں۔ ہم کس طرح خالی ہو کر ان کی طرح بیٹھ جائیں اور اس سے یہ نتیجہ ذہن میں جم گیا کہ دین بڑی مشکل شے^(۳) ہے اور ہم سے ہرگز اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

(۱) دین کو بیماری اور مشقت کی چیز سمجھنے کی وجہ یہ ہے (۲) دنیا کے بہت سے کام ہم سے وابستہ ہیں (۳) چیز

حقیقت دین

صاحبو! خوب سمجھ لو کہ یہ چیزیں بھی اپنے درجے میں مرغوب و مندوب^(۱) ہیں جبکہ آدمی بالکل فارغ ہو کر دین کی حقیقت میں داخل نہیں کہ اگر یہ اشیاء ہوں تو دین ہو اور اگر نہ ہوں تو دین کا وجود نہ ہو۔ دین نام ہے امتثال مامور^(۲) کا اور ضروری مامور ہے جس قدر ہے وہ بہت سہل ہے^(۳) اس میں کوئی بکھیرا نہیں۔ شریعت نے یہ حکم نہیں دیا کہ نہ اچھا کھاؤ نہ اچھا پیو اور نہ زراعت کرو نہ تجارت نہ نوکری، نہ حرفت، ہاتھ پاؤں توڑ کر مسجد میں بیٹھے رہو بلکہ سب کچھ کرو مگر حدود سے باہر نہ نکلو۔ دین کے بڑے بڑے ارکان یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب میں غور کیجیے کہ انکے کرنے میں کیا مشقت ہے۔ دنیا کا کونسا کام بند ہوتا ہے زکوٰۃ میں شاید کوئی کہے کہ اس میں مال کا خرچ ہے تو سمجھ لیجیے کہ اہم سابقہ پر زکوٰۃ چوتھائی مال تھا۔ اس امت پر یہ رحمت ہے کہ صرف چالیسواں حصہ ہی فرض ہے۔ اور پھر اس میں بھی شرط یہ ہے کہ سال بھر اس مال پر گزر جائے پھر اس مال کا قابل نمونہ^(۴) بھی شرط ہے۔ سو اگر آدمی کو سلیقہ ہو تو بذریعہ تجارت سال بھر میں اس کو بڑھا سکتا ہے اور اگر خود سلیقہ نہ ہو تو سبحان اللہ کیا رحمت اور انعام ہے کہ اس کا بھی طریقہ بتا دیا ہے کہ مضارب^(۵) پر کسی کو مال دیدو۔

(۱) پسندیدہ اور مستحب ہیں (۲) جن چیزوں کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کی بجا آوری کا نام دین ہے (۳) اور ضروری احکام جتنے ہیں وہ بہت آسان ہیں (۴) بڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہو (۵) ایک طریقہ تجارت ہے کہ ایک شخص کا پیسہ دودھ سرے کا کام

مضاربہ

مضاربہ یہ ہے کہ مال ایک کا ہو اور محنت دوسرے کی اور نفع میں دونوں شریک، لیکن اس میں یاد رکھنے کی بات ہے کہ نفع معین نہ کرے جیسے آج کل معین کر لیتے ہیں کہ دس روپے باجوہ لیا کریں گے یہ جائز نہیں۔ بلکہ حصہ معین کرے کہ تین چوتھائی مثلاً تیرا اور باقی ہمارا یا نصف نصف مثلاً اگر شارع "چاہتے تو اس عقد کو حرام کر دیتے اور اس کے نفع کو سود میں داخل کر دیا جاتا لیکن بندوں کی ضرورت پر نظر کر کے اس کی اجازت دے دی۔ غرض تجارت کرنے کی اجازت اور تجارت کرانیکی اجازت اس سے زیادہ اور کیا سہولت ہو سکتی ہے۔ پس اگر کسی کے پاس سو روپے ہوں اور سال میں دس روپے نفع ہو تو کچھ بعید نہیں تو اس میں سے اڑھائی روپیہ دیدنا کیا مشکل ہے یہی سمجھ لیا جائے کہ ساڑھے سات ہی نفع ہوا ہے۔ پھر مزید برآں وعدہ ہے اولئک ہم المضعفون یعنی زکوٰۃ دینے والے اپنے مال کو دو گنا چو گنا کرنے والے ہیں یعنی زکوٰۃ دینے سے یہ مت سمجھو کہ مال کم ہوتا ہے بلکہ بڑھتا ہے اور یہ بڑھنا آخرت میں تو ہو گا ہی دنیا میں بھی ہوتا ہے بعض لوگوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم جب سے عشر دینے لگے ہیں اس وقت سے ہمارے یہاں پیداوار زیادہ ہونے لگی ہے۔ اور دیکھئے ایک سرکاری قانون کی قدر اس لیے کرتے ہیں کہ تنخواہ میں سے کاٹ کر اور اس کا سود لگا کر بڑھا کر اس ملازم کو دیتی ہے افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ باوجود اس کے کہ دو گنا چو گنا دے اور اس کی قدر نہیں اور پھر بڑھنا دو گنے تک ہی نہیں بلکہ سات سو تک اور اس سے

زیلہ بھی بڑھا دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی چھو بارہ صدقہ دیتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو بڑھاتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اسی پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ دیکھئیے اگر اسی پہاڑ کے ٹکڑے ایک چھو بارے کے برابر کریں تو کتنے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ اب بتائیے کہ زکوٰۃ دینے سے کیا خسارہ ہوا۔ بعض لوگ کہیں گے کہ ہم تو گن کر روپے رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دینے کے بعد پھر گنتے ہیں تو کم ہو جاتا ہے بڑھتا تو دور کتنا برابر بھی نہیں رہتا۔ بات یہ ہے کہ بڑھنے کی حقیقت اور غرض پر اگر نظر ہوتی تو یہ شبہ ہی نہ ہوتا۔

مال بڑھنے کی غرض

مال کے بڑھنے کی غرض یہ ہے کہ وہ بڑھا ہوا مال اپنے کام آئے چنانچہ اگر کسی کے پاس کروڑوں روپیہ ہو اور اس کے کام نہ آئے بلکہ فضولیات میں ضائع ہو جائے اور ایک شخص کے پاس دس روپے ہیں لیکن دس کے دس اس کے کام آئے یہ شخص اس سے بدرجہا بڑھ کر ہے۔ سو ہم کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ دو شخص ہیں اور ان کی برابر آمدنی ہے مگر فرق اتنا ہے کہ ایک زکوٰۃ دیتا ہے اور تمام حقوق واجبہ ادا کر دیتا ہے سو اس کی چین و آرام سے زندگی گزرتی ہے اور دوسرا شخص جو حقوق ادا نہیں کرتا اور ہمیشہ پریشانی میں رہتا ہے۔ آج چوری ہو گئی کل کوئی مقدمہ قائم ہو گیا۔ خود بیمار ہو گیا۔ بچے بیمار ہو گئے عطار کے ہاں روپیہ جارہا ہے۔ طبیب کی فیس میں خرچ ہو رہا ہے۔ بخلاف پہلے شخص کے کہ جس قدر آمدنی ہے وہ سب اس کے کام آ رہی ہے جو مال کے بڑھنے سے غرض ہے وہ

اس کو حاصل ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ جس قدر لیتے ہیں اس سے زیادہ دیدیتے ہیں اور پھر جو لیتے ہیں وہ اپنے لیے نہیں وہ بھی تمہارے ہی لیے ہے۔ حاصل یہ ہے کہ زکوٰۃ میں کچھ مشقت نہیں بلکہ ہر طرح سے سہولت اور نفع ہی ہے دنیوی بھی اور اخروی بھی۔

احکام شرعیہ میں سہولتیں

علیٰ بذاج میں کوئی دشواری نہیں ہے جس کے پاس اپنی حاجت اصلیہ سے زائد اس قدر خرچ ہو کہ مکہ معظمہ تک سواری میں چلا جائے اور چلا آئے اور سفر میں رہنے تک اہل و عیال کو خرچ دے جائے اس کے ذمے حج واجب ہے مدینہ طیبہ اگر ہمت اور خرچ ہو تو جانا سنت ہے۔ آج کل لوگ اس غلطی میں ہیں کہ حج کے لیے مدینہ منورہ کا خرچ بھی لگاتے ہیں اور اگر مدینہ طیبہ کا خرچ نہ ہو تو حج کو فرض نہیں سمجھتے یاد رکھو جس کے پاس مکہ معظمہ تک آنے جانے کا خرچ ہو اس کے ذمے حج واجب ہو جاتا ہے۔ مدینہ طیبہ جانا فرض نہیں بتلائیے اس میں کیا خسارہ^(۱) ہے بلکہ بعض لوگوں کو اور نفع ہو جاتا ہے کہ تجارتی مال لے جاتے ہیں اگرچہ بلا ضرورت اولیت^(۲) کے خلاف ہے اور ایک نفع یہ ہے کہ تجربہ بڑھتا ہے۔ خصوصاً ترقی یافتہ حضرات تجربہ کو اتنا بڑا نفع سمجھتے ہیں کہ اس کے واسطے ہزار بار وہ خرچ کر دیتے ہیں۔ غرض سمجھ میں نہیں آتا کہ احکام شرعیہ میں کوئی حکم بھی ایسا ہو جس میں مال اور جان کا ضرر^(۳) ہو۔ مال کا ضرر نہ ہونا تو میں ثابت ہی کر چکا ہوں اور جان

(۱) نقصان (۲) خلاف اولیٰ ہے یعنی چھان بین (۳) نقصان

کے متعلق ارشاد ہے لا یكلف الله نفسا الا وسعها یعنی اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی وسعت سے زائد تکلیف نہیں دیتے ہیں۔ دیکھیے اگر نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو اگر وضو نہ کر سکو پانی نقصان کرتا ہو تو تیسم سے پڑھ لو اور اگر پانی نقصان نہیں کرتا لیکن بیماری سے حرکت قست و برخواست^(۱) میں تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے سے التجا کرنا ضروری نہیں ہے۔ شریعت اس کو بھی معذور قرار دیتی ہے ہاں اگر کوئی اپنا خادم اور محکوم ہو تو اس سے وضو میں استعانت^(۲) ضروری ہے۔ اگر راستے میں ڈول رسی نہ ہو اور دوسرے کے پاس ڈول رسی ہو اور مانگنے سے جی رکنا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مانگنا واجب نہیں وغیرہ ذالک من التسهيلات (اور اس کے علاوہ بہت سی سہولتیں ہیں)

قانون شریعت دنیا کے تمام قوانین سے زیادہ آسان ہے

میں تو کہتا ہوں کہ دنیا کے قوانین ایک جگہ جمع کر لو اور شریعت کو ایک طرف سب سے زیادہ آسانی شریعت میں دیکھو گے افسوس ہے کہ آج کل لوگ شریعت کو خونخوار^(۳) سمجھتے ہیں اصل یہ ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ شتر بے مہار کی طرح پھریں ایسے مطلق العنان^(۴) لوگ دنیا میں بھی خوار اور ذلیل ہیں اور یہ جو ظاہری عزت ان کو حاصل ہے اور لوگ ان سے ڈرتے ہیں۔ یہ ایسی ہے جیسے بھیڑیے اور شیر سے ڈرتے ہیں اگر ابھی شیر یا بھیڑ یا آجائے۔ سب اس کی تعظیم

(۱) اٹھتے بیٹھنے میں (۲) وضو کے لیے مدد لینا (۳) پھاڑ کھانے والی (۴) بالکل آزاد پھریں

کے لیے کھڑے ہو جائیں چنانچہ پیٹھ پیچھے ان ہی لوگوں کو گالیاں دیتے ہیں بخلاف ان لوگوں کے جو خدا تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں کہ ان کی عزت بچی عزت ہے۔ ان کی تعظیم و تکریم لوگ دل سے کرتے ہیں اور پیٹھ پیچھے مدح و ثنا کرتے ہیں۔ یہ تو ان آزاد لوگوں کے لیے دنیا میں ہے اب آخرت کی نسبت سنئیے فرماتے ہیں۔ ذی انک انت العزیز الکریم یعنی کچھ مزہ عذاب کا بے شک تو بڑا عزیز و مکرم ہے۔ یہ ابو جہل کو خطاب ہے یہ وہاں عزت ہوگی۔ عزیز کریم بطور طعمی و تہکم (استہزاء) کے فرمایا۔ سو لوگ ایسی مطلق العنانی کو جس میں دنیا اور دین دونوں میں رسوائی ہو پسند کرتے ہیں۔

شریعت میں سراسر منفعت^(۱) و راحت ہے

شریعت کو کہ جس میں سراسر منفعت و عزت و راحت ہے چھوڑتے ہیں غور کر کے دیکھئیے کہ جن معاملات میں ہم نے شریعت کو چھوڑ دیا ہے اور نئی رسوم مقرر کر لیے ہیں کس قدر دقتوں میں واقع ہو گئے ہیں۔

مہر کی کم از کم مقدار

ایک شادی کے طریقہ کو دیکھئیے کہ شریعت نے اس میں اس قدر آسانی فرمائی ہے کوئی قید نہیں لگائی اس کا پابند نہیں فرمایا کہ مہر ہزار ہی روپے کا ہو کم از کم مقدار پونے تین روپے مقرر فرمادی^(۲) جس کو ادنی استطاعت والا بھی ادا کر سکتا

(۱) لحد (۲) یہ اس وقت کا ذکر ہے جب روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اب نہیں ہے بلکہ حنفیہ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے جس کا وزن ۳ تولہ سارے سات ماش چاندی ہے اتنی چاندی کی قیمت کے برابر کم از کم مہر ہونا چاہی ہے

ہے روپیہ کی کچھ مقدار نہیں اور وہ بھی نکاح کے وقت دینا ضروری نہیں۔ جب ہو سکیں دید و اور اگر عورت معاف کر دے تو معاف بھی ہو جاتا ہے۔ نقد ایک پیسہ کا خرچ نہیں۔ چھوڑے اگر ہوں تو مستحب ہے۔ واجب فرض نہیں بلکہ نکاح میں یہ برکت رکھنی ہے کہ اس سے غنا حاصل ہوتا ہے۔ لوگوں کو سن کر تعجب ہو گا کہ نکاح سے غنا کیسے حاصل ہوتا ہے ہم تو اس کا برعکس دیکھتے ہیں کہ خرچ بڑھنے سے اور مصیبت ہو جاتی ہے۔

نکاح سے غنا کس طرح حاصل ہو گا

صاحبو! آپ غور نہیں کرتے اگر ہر شے کی روح اور حقیقت پر نظر ہو تو ان سب دعووں کا سمجھنا سہل^{۱۱} ہے بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ^{۱۲} ہے کہ التدبیر نصف المعیشت (گھر کا انتظام و تدبیر آدمی معیشت ہے) یہ مسئلہ تمدن کا ہے اگر دس روپے ہوں اور ساتھ ہی تدبیر بھی تو اس میں بیس روپے کام چل سکتا ہے۔ بعض امور خانہ داری کے ایسے ہیں کہ مرد اکیلا پانچ روپے میں گزر نہیں کر سکتا بیوی اگر حائل ہو تو پانچ روپے میں اپنا اور دوسرے کا گزر کرے گی اور بغیر تدبیر اور عقل کے ہزاروں روپیہ بھی کافی نہیں۔

عورتوں کا کفرانِ عشیر

آج کل عورتیں حقیقت میں گھر کو کھوتی ہیں بعض تو اپنے ماں باپ

(۱) آرن (۲) یہ بات سب تسلیم کرتے ہیں کہ

بھائیوں کو دیتے ہیں بعض کپڑوں اور زیور میں روپیہ برباد کرتے ہیں اور جس قدر ان کو دیا جائے ان کی نظروں میں کچھ اس کی قدر نہیں۔ کفرانِ عیشیر^(۱) گویا ان کا جزو ذات^(۲) ہے بقول مولوی عبدالرب صاحب مرحوم کے عورتوں سے جب کبھی پوچھا جاتا ہے کہ تم کو کچھ کپڑوں کی ضرورت ہے یا کافی مقدار میں موجود ہیں تو یہی کہیں گی کہ میرے پاس کیا ہے دو چیتھڑے^(۳) اور جب برتنوں کا ذکر آتا تو کہتی ہیں کیا ہیں دو ٹمیکرے^(۴) جو تہ کی نسبت پوچھو تو کہتی ہیں کیا یہ دو لیٹرے^(۵) یہ زرا کافی بندی نہیں حقیقت یہی ہے کہ اس فرقے کے اندر شکر گزری مطلق نہیں الا ماشاء اللہ اور شب و روز فضولیات میں لگی رہتی ہیں اگر کوئی شے^(۶) سامنے آجاتی ہے اور پسند آجائے تو اگرچہ ضرورت نہ بھی ہو مگر پھر بھی لے لیتی ہیں اور پوچھنے پر یہ جواب دیتی ہیں کہ گھر میں ہوتی چیز کبھی نہ کبھی کام آجاتی ہے اور شادی میں تو ایسا بے ٹکار روپیہ اڑاتی ہیں کہ خدا کی پناہ اگر پاس نہ ہو تو قرض لیتی ہیں خواہ سود ہی ملے اور مشہور یہ کر رکھا ہے کہ شادی اور تعمیر کا قرض ضرور ادا ہو جاتا ہے تو ایسی عورتوں کا تو ذکر نہیں۔ باقی اگر فضولیات سے باز آجائیں اور انتظام سے چلیں تو وہ رونق ہو جاتی ہے کہ دس روپے میں مرد نہیں کر سکتا تو دیکھیں شادی کرنے سے افلاس اس طرح دور ہو جاتا ہے بہر حال شادی میں تھوڑا سا خرچ ہوا اور اس کے بدلے گھر میں رونق ہو گئی لیکن شرط یہی ہے کہ سلیقہ سے کام لیا جائے۔

(۱) شوہر کی ناکھری (۲) ذات کا حصہ (۳) دو پٹے پرانے کپڑے (۴) سٹی کے دو برتن (۵) پٹے پرانے جوئے (۶) چیز

شریعت کو پس پشت ڈالنے کے نتائج

شریعت کی سولت تو آپ نے شادی کے بارے میں ملاحظہ فرمائی اب دیکھیے کہ بجائے شریعت کے جو قواعد آپ نے شادی کے اندر مقرر کیے ہیں ان سے کس قدر کلفت^(۱) واقع ہوئی کہ شادی جس کو شریعت نے بہت ارزاں کیا تھا۔ آپ نے اس کو کس قدر گراں کر دیا ہے کہ منگنی سے لے کر فراغت تک اس قدر بکھیرے اور خرچ اس میں بڑھا دیے ہیں کہ جن کا شریعت میں کہیں پتہ نہیں۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لڑکے لڑکیاں بڑی عمر تک کنوارے رہتے ہیں اور سنت نکاح سے محروم رہتے ہیں اور بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جنہوں نے قرض دام^(۲) کر کے شادی کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج گھر نیلام ہو رہا ہے۔ کل جائداد بک رہی ہے۔ یہ سب نتائج شریعت کو چھوڑنے کے ہیں۔

غمی میں شریعت کا پاکیزہ قانون

اسی طرح غمی کو دیکھیے کہ اس میں ضروری جزو صرف اس قدر ہے کہ دفن کیا جائے۔ اس میں کس قدر خرچ ہے لیکن اگر اس قدر خرچ بھی کسی کے پاس نہ ہو تو سبحان اللہ دیکھیے کیا پاکیزہ قانون ہے کہ نامہ مسلمین کے ذمے اس کا کفن دفن ہے۔ علاوہ اس کے جو فضولیات اختراع^(۳) کر رکھی ہیں وہ بالکل قابل مدف^(۴) ہیں۔ مثلاً تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں وغیرہ ان کا شریعت میں کہیں پتہ نہیں اپنی طرف سے اختراع کر کے مصیبت میں پڑتے ہیں۔ اب خیال فرمائیے کہ

(۱) بہر شان (۲) قرض پیسے لیکر (۳) گھڑ رکھی ہیں (۴) ترک کے قابل

شریعت میں کیا دشواری ہے کہ آمدنی کے ابواب^(۱) بند کر دیے۔ مثلاً سود، رشوت، جوا وغیرہ دوسرے یہ کہ ہماری آزادی کو بند کر دیا۔ رشوت اور جوئے کا جواب تو بہت ظاہر ہے کہ اس کے تسلیم کرنے میں ہمارے فوجوان تو ہرگز شامل ہی نہ کریں گے وہ یہ کہ رشوت و جواسرکاری قانون میں بھی ممنوع ہے۔ فماہو جوابکم فہو جوابنا^(۲)۔

سود کا وبال

ربا سود اس کے بارے میں ارشاد ہے۔ یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات یعنی جو اللہ تعالیٰ ربوا (سود) کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ مٹانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آج گن کر سو روپے رکھے تھے۔ دوسرے دن پچاس روپے لگے یا بالکل نہیں رہے۔ بات یہ ہے کہ مال کا اصل مقصود یہ ہے کہ اپنے یا اپنی اولاد کے کام آئے۔ کھانے پینے اور دیگر حوائج^(۳) میں صرف ہو اور سود خوار کی آمدنی اس کے کام نہیں آتی۔ فضول اڑ جاتی ہے۔ یا تو مکانات کی تعمیر میں روپیہ اڑ جاتا ہے یا رند یوں اور شراب خواری میں ضائع ہو جاتا ہے اور دوسرا وبال سود کا یہ ہے کہ سود خوار سے کسی کو محبت نہیں ہوتی اور سرمایہ راحت آپس کی محبت و الفت ہے ہم نے خود دیکھا ہے کہ سود خوار لوگوں میں نہ باپ کو بیٹے سے محبت ہے نہ بیٹے کو باپ سے سود خوار ہر شخص کے نزدیک ساقط النظر^(۴) ہوتا ہے اور نیز اس کو کسی

(۱) سب دروازے (۲) پس جو تم اس میں جواب دو وہی ہمارا جواب ہے (۳) ضرورتوں (۴) نظر سے گرا ہوا

وقت راحت نہیں ہوتی۔ ہر وقت ادھیڑ بن میں رہتا ہے اور اسی فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح دس کے بیس ہو جائیں۔ دنیا کی نعمتوں سے محروم رہتا ہے۔ یہ مٹانے کی روح ہے اب بے تکلف آپ کی سمجھ میں یسحق اللہ العالیو (اللہ تعالیٰ سو کو مٹاتے ہیں) کے معنی آگئے ہوں گے نیز کبھی قرضداروں کے پاس روپیہ مارا بھی جاتا ہے۔ بہر حال یہ دعویٰ بالکل محفوظ ہے کہ شریعت آسانی کی طرف بلا رہی ہے اور آپ کا دستور و عرف و شوریٰ^(۱) میں ڈال رہا ہے اور نیز یہ بھی متفق^(۲) ہوا کہ شریعت پر عمل کرنے سے راحت ہی راحت ہے اور شریعت کو چھوڑنے میں دشواری ہی دشواری ہے مگر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ یہ جانتے ہیں کہ ہم مطلق العنان^(۳) رہیں۔ اس لیے شریعت کی پابندی دشوار معلوم ہوتی ہے لیکن واقع میں دین میں کوئی مشقت نہیں۔

علاج غفلت کے دو اجزاء

پس اسی طرح دین کے اس حکم میں بھی جس کا ذکر ہو رہا ہے کوئی دشواری نہیں کہ موت و ما بعد الموت^(۴) کو سوچا کرو پس ثابت ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے جو اس آیت شریف میں علاج ارشاد فرمایا ہے وہ یہ سہل^(۵) ہے حاصل علاج کا یہ نکلا کہ موت اور ما بعد الموت کو یاد کر لیا کرے سو دیکھیے یہ علاج اس قدر سہل اور سستا ہے کہ اس میں نہ جان کا خرچ ہے نہ مال کا اور موثر ایسا کہ حقیقت میں اگر دنیا بھر کے

(۱) مصلح (۲) یہ بھی متفق سے ثابت ہو گیا کہ (۳) بالکل آزاد رہیں (۴) موت اور اس کے بعد کے حالت

حکماء بقراط و سقراط بھی جمع ہو کر سوچتے تو ایسے آسان علاج تک ان کے ذہن کو ہر گز رسائی نہ ہوتی تو ایسے شدید مرض کا علاج چند لفظوں میں ارشاد فرمادیا پس علاج کے صرف دو جزو ہیں ایک موت کا یاد کرنا اور دوسرے مابعد موت کی طرف اشارہ فرمایا واللہ خبیر بما تعملون سے اشارہ مابعد الموت کی طرف ہے اس لیے کہ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جو کچھ دن رات کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب کی خبر رکھنے والے ہیں تو اس خبر دینے کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم کو سب خبر ہے تو سب اعمال کی جزاء سزا دیں گے جیسے استاد شاگردوں سے کہتا ہے یا اسکا نوکر سے کہا کرتا ہے کہ مجھے کو تمہاری سب حرکتوں کی اطلاع ہے۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کی سزا ملے گی اور جزاء سزا اعمال کی جو کچھ ہوگی وہ مابعد الموت ہوگی۔ پس حاصل علاج کا یہ ہوا کہ موت اور مابعد الموت کو یاد کرو اور حدیث میں بھی اس علاج کا ذکر آیا ہے۔

موت ہاذم اللذات ہے^(۱)

چنانچہ فرمایا اکثرُوا ذکرہا ذم اللذات (یعنی لذات کی قطع شکستہ کرنے والی شے (موت) کو بہت یاد کیا کرو۔ سبحان اللہ کیا خوبصورت عنوان سے حکم فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ موت کو یاد کیا کرو بلکہ موت کو ہاذم اللذات سے تعبیر فرمایا۔ اس میں ایک بڑی گہری بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ بات یہ ہے کہ آدمی جو اللہ کرتا ہے یا دنیا کے مال و جاہ میں منہمک ہوتا ہے تو مقصود اور نیت سب کی تحصیل لذت ہے اور جب یہ یاد کرے گا کہ یہ سب ایک دن ختم

(۱) لذتوں کو مٹانے والی ہے

ہو جائے گا اور اس کا تصور ہوگا تو مزد ہی نہ آئیگا اور جب مزد ہی نہ آئیگا تو وہ گناہ بھی چھوٹ جائے گا۔ دنیا میں اس کی بہت مثالیں موجود ہیں مثلاً کسی بڑے عہدے پر بے مثلاً ڈپٹی کلکٹر ہے لیکن اس پر کوئی مقدمہ بھی قائم ہے جس سے خوف غالب ہے کہ اس عہدے سے برطرف کر دیا جائیگا۔ اس کو اس کلکٹری میں خاک بھی لذت نہ ہوگی۔ غرض کلیہ قاعدہ ہے کہ جس شے میں انقطاع الکا خوف ہوتا ہے اس میں لذت نہیں رہتی ہے۔

موت ہر لذت کو ختم کرنے والی ہے

پس حاصل حدیث شریف کا یہ ہوا کہ اگر تم سے گناہ بوجہ لذت کے نہیں چھوٹے تو ہم علق بتاتے ہیں کہ تم یہ یاد کر لیا کرو یہ لذات سب ختم ہونے والی ہیں جب اس کا تصور کامل ہوگا تو گناہ چھوٹ جائیں گے اور موت سے تو تمام لذات کا خاتمہ ہو جاتا ہے جو بہت ظاہر ہے۔

موت کے دو مقدمات

موت کے دو مقدمات ہیں ان سے بھی لذت ختم ہو جاتی ہے موت کے دو مقدمے ہیں بیماری اور بڑھاپا۔ دیکھ لیجئے دونوں سے لذات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بیماری میں کسی شے کا لطف نہیں رہتا۔ اچھے اچھے لذیذ کھانے کڑوے معلوم ہوتے ہیں۔ سب شہوانی جوش و خروش ختم ہو جاتے ہیں بلکہ بولنا تک برا معلوم

(۱) جس چیز کے ختم ہونے کا خوف ہو اسی میں لذت نہیں ہوتی

ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ کسی کا پوچھنا اور عیادت کرنا برا معلوم ہوتا ہے۔

عیادت میں تھوڑی دیر بیٹھنے میں حکمت

اسی واسطے قواعد شریف میں آیا ہے منعماد منکم مریضا فلیخفف الجلوس (یعنی جو شخص تم میں سے کسی مریض کی عیادت کرے تو چاہیے کہ کم بیٹھے) سبحان اللہ شریعت کی کس قدر گہری نظر ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی پوری نظر ہے ورنہ بزرگ نبی ﷺ کے کسی کام نہیں۔ کوئی کتنا ہی بڑا فلاسفہ ہو مگر اس کی نظر ایسے دقائق تک کھانچ سکتی ہے اکثر لوگ آج کل ایسی غلطی کرتے ہیں کہ بیمار کے پاس بیٹھ کر مجلس آرائی کرتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہیں۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ آرام کرے یا کروٹ بدلے لیکن ان کے لحاظ سے بچا رہ ایک حالت سے لیٹا رہتا ہے۔ یہ بڑی سخت غلطی ہے۔ ہاں اگر مریض سے ایسی بے تکلفی ہو کہ اس کو اس سے کچھ لحاظ نہ ہو اور اس لیے آرام میں خلل نہ ہو بلکہ اور اس سے انس و راحت ہو تو وہ سستی ہے۔ اس لیے کہ علت اس حکم کی ایذا ہے اور وہ یہاں مرتفع ہے۔ حاصل یہ کہ مرض میں کسی شے کی علوت (۳) نہیں رہتی۔ ہر امر میں بے لطفی ہو جاتی ہے۔ نہ کھانے کو جی چاہتا ہے نہ پینے کو۔ اسی واسطے تو فرمایا ہے۔ لا تکرھو مریضا کم علی الطعام اور مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو۔ آج کل اس کے بھی خلاف کرتے ہیں اور مریض کو مجبور کرتے ہیں کہ کچھ کھا ہی لے۔ خاص کر مائیں بچوں کو بے انتہا مجبور کرتی ہیں۔ یاد رکھو بعض مرتبہ

(۱) ایک باتوں (۲) نہیں پائی جاتی (۳) کسی چیز کا مزہ نہیں رہتا

کھانے سے اور مرض بڑھ جاتا ہے بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے ایسا ہرگز نہ کرو اس کے آگے فرماتے ہیں۔ **فان الله يطعمهم و يسقيهم** یعنی اللہ تعالیٰ ان کو کھلا پلا دیتے ہیں۔ حقیقت میں بعض مریضوں پر بیس بیس دن گزر جاتے ہیں اور بالکل نہیں کھاتے اور پھر جس قدر کمزوری ہونا چاہیے اس قدر نہیں ہوتی۔ تندرست آدمی اگر اتنے دنوں تک نہ کھائے تو بہت ضعیف ہو جائے۔ اس کے اعتبار سے مریضوں کو اتنا ضعف نہیں ہوتا اگر کوئی کہے کہ ہم رات دن بیمار کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ کسی وقت جدا نہیں ہوتے اور خود بھی بیمار پڑتے ہیں مگر کبھی اللہ تعالیٰ کو کھلاتے پلاتے نہیں دیکھا بات یہ ہے کہ کھلانے پلانے سے جو مقصود ہے وہ حاصل ہو جاتا ہے۔

کھانے پینے سے مقصود

کھانے پینے سے مقصود قوت ہے۔ وہ برا رہتی ہے اس لیے کہ رطوبات فضلیہ بدل جائیں۔ بنتی رہتی ہیں اس لیے اس کو قوت رہتی ہے اور رطوبات کا اس طرف منصرف کر دینا یہ کام بھی حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ پھر کھلانے پلانے میں کیا شبہ رہا۔ حاصل یہ ہے کہ ایک مقدمہ موت کا تو یہ تداوم سرا مقدمہ ہوڑھا پا ہے کہ اس میں بھی سارے مزے ختم ہو جاتے ہیں کھانے کا لطف نہیں رہتا۔ اس لیے کہ کھانے کا لطف بھوک پر ہے۔ جوانی میں جیسی بھوک لگتی ہے وہ بوڑھا پے میں نہیں رہتی پس اگر کچھ بھوک ہو بھی تو جو شے چاہیں وہ نہیں کھا سکتے اس لیے کہ دانت

(۱) ازائد رطوبتیں اس کی غذا کا بدل بنتی رہتی ہیں جس سے غذائی کمی پوری ہو جاتی ہے

سب رخصت ہو گئے اسی طرح سرد پانی نہیں پی سکتے کہ نزلے کی تحریک ہو جاتی ہے۔ تازہ پانی یا گرم پانی پیتے ہیں سونے کا آرام جاتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اول تو گھر میں خیمہ نہیں آتی پھر پوست دماغ میں^{۱۱} اس قدر ہوتی ہے کہ وہ سونے نہیں

دستی۔ جوانی گئی زندگی گئی

حضرت مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کا یہ شعر جوانی گئی زندگی گئی لعل سن کر ہم کو تعجب اور اشکال ہوتا تھا کہ جوان جانے سے زندگی کیسے جاتی رہی مگر جب اپنے اوپر گزری تو معلوم ہوا کہ واقعی بوڑھا پے میں زندگی کا لطف نہیں۔ ہماری ایک تائی تھیں اللہ تعالیٰ ان کو بخشے وہ بوڑھا پے کے مصائب سے موت کی تمنا کیا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بوڑھا ہو کر اگر گناہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے۔

لعنت تین شخصوں پر

حدیث شریف میں تین شخصوں پر لعنت آئی ہے اول ملک کذاب یعنی جھوٹے بادشاہ پر اس لیے کہ جب وہ بادشاہ ہے تو اس کو جھوٹ کی کیا ضرورت۔ جھوٹ تو وہ بولے جو کسی سے دبتا ہو اور جب اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت عطا فرمائی ہے تو اس کو کیا حاجت ہے۔ دوسرے عامل^{۱۲} منکبر پر لعنت آئی ہے یعنی غریب ہو کر تکبر کرے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض غریب باوجود اپنی شکستہ

(۱۱) دماغ میں منجی (۲) غریب منکبر پر

حالی کے بھی اینٹھ (۱) مروڑ میں رہتے ہیں۔ امیر بیچارے ریچ (۲) جاتے ہیں۔ مگر یہ غریب اپنی شیشی میں رہتے ہیں۔ خاص کر تقریباً بات میں اکثر اینٹھ جاتے ہیں اور بلائے سے بھی نہیں آتے۔ تقریب والے مناسبتے میں خوشامدی کرتے ہیں مگر ان کی ناک بنی سیدھی نہیں ہوتی۔ ہمارے یہاں ایک مالدار شخص تھے ان کے یہاں تقریب تھی۔ ایک مفلس شخص کو جو کہ ان کے یہاں مدعو تھے اور انتظار طعام میں بیٹھے تھے۔ ان کے یہاں کا سامان دیکھ کر بہت حسد ہوا۔ سوچنے لگے کہ کوئی عیب لکھے چنانچہ ایک بات ٹھکی سقاء (۳) کھارخانہ میں جا رہا تھا۔ اسکی مشک میں ایک سوراخ تھا۔ اس میں سے پانی نکل کر ان کے کپڑوں پر گرا۔ بس شیخ صاحب کہاں تھے چٹیک (۴) کر کھڑے ہو گئے اور خدا جانے گھر والے کو کیا کیا کہا۔ اب مناتے ہیں ملتے نہیں۔ ایسوں کا علن تو یہ ہے کہ ان کو منہ نہ لگانا چاہیے۔ اگر خفا ہو جائیں بلا سے تیسرے شیخ زانی پر لعنت آتی ہے اور بد ٹکائی اور دل کے اندر خیال پکانا بھی زنا ہی میں داخل ہے اور وجہ یہ ہے کہ تھامنا کرنے والی تو کوئی چیز اندر ہے نہیں جو مجبور کرے۔ اس پر بھی کھینٹ ہوتا ہے تو یہ زیادہ موجب وعید ہے۔ یہ وقت تو وہ تھا کہ ذکر و فکر میں گزارتا۔

بورٹھا پاپیغام موت ہے

اسی واسطے تو فرماتے ہیں اولم نعمرکم ما یتذکر فیہ من تذکر
وجاءکم النذیر یعنی کیا ہم نے تم کو ایسی عمر نہیں دی کہ اس میں

(۱) اڑنے رہتے ہیں (۲) نرم پڑھتے ہیں (۳) مٹی (۴) جمید کر

نصیحت و عبرت حاصل کرے وہ شخص جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور تمہارے پاس ڈرانے والا آیا۔ مراد نذیر سے بوڑھا پا ہے۔ اس لیے کہ بوڑھا پا پیغام موت ہے اس لیے اس کو نذیر فرمایا۔ غرض بوڑھا پا پیغام موت ہے کیونکہ بچوں کو تو یہ بھی امید ہے کہ جوان ہو کر کچھ کر لیں گے اور جوانوں کو یہ خیال ہے کہ بوڑھے ہو کر کچھ کریں گے۔ اگرچہ یہ خیال اور امید بھی سراسر باطل ہے اس لیے کہ یہ کیا معلوم ہے کہ جوانی اور بوڑھا پا ضرور آئے گا بلکہ اس زمانہ میں تو اکثر پہلے ہی پہلے ختم ہو جاتے ہیں لیکن خیر عا می خیال میں تو اس کی گنجائش ہے لیکن ان بوڑھوں کو کیا امید ہے یہ کس بات پر بھولے ہوئے ہیں۔ حاصل یہ کہ مرض اور بوڑھا پا کہ دونوں مقدمات موت سے ہیں۔ انہی سے دیکھیے لذت کیسے قطع ہو جاتی ہے۔ سو خود موت تو کیسی کچھ قاطع لذت^(۱) ہوگی پس عنوان سے ذکر موت کو معالجہ میں اور زیادہ دخل ہوا۔ بالجمہ معاملے کا حاصل موت کو یاد کرنا ہے اور اس وقت ایک لطیفہ اور یاد آیا وہ یہ کہ علاج بھی وہ فرمایا جس میں سراسر اسی کا نفع ہے اور اس حیثیت سے مکلف کو اپنے نفع کے لیے اس کا اختیار کرنا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے امر پر کوئی شخص کسی خاص اجرت یا انعام کا مستحق نہیں ہو سکتا بلکہ مرض کا علاج بتلانے والا اگر کوئی اجرت یا فیس مانگنے لگے تو گنجائش ہے مگر اللہ کبر کیا رحمت ہے کہ علاج بھی بتلایا اور اس کے علاج کے کرنے پر خود ایک انعام کا بھی وعدہ فرمایا۔

(۱) لذت کو ختم کرنی والی ہوگی

دن میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرنے کا اجر

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص دن بھر میں چالیس مرتبہ موت کو یاد کرے تو اس کو شہادت کا مرتبہ ملتا ہے اور شہادت کا مرتبہ معلوم ہے کتنا بڑا ہے کہ شدید ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور بے حساب و کتاب جنت میں جاتا ہے۔ موعلاج کے ساتھ انعام بھی کیسی عنایت ہے۔ اس پر ایک مثال یاد آگئی مجھ کو ایک مرتبہ بچپن میں والد صاحب نے مسل^(۱) دیا میں وہ مسل پہتا نہ تھا تو والد صاحب نے فرمایا کہ ہم تم کو ایک روپیہ دیں گے اگر تم یہ پی لو۔ دیکھیے وہ ہمارے ہی نفع کے لیے تھی اگر ہم پیئیں گے ہمارا ہی نفع ہوگا نہ پیئیں گے تو اس کا ضرر ہم کو ہوگا لیکن وہ اپنے پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔ یہ غایت شفقت ہے۔ شفاخانہ میں تو ذرا تجربے کر کے دیکھو۔ اس سے حق تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر رافت و شفقت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے نفع کے لیے ایک علج تبوڑ فرمایا اور پھر اس انعام کا وعدہ بھی یعنی شہادۃ جو کہ اعلیٰ مراتب میں سے ہے اس کے عطاء کا وعدہ یہ تو ذکر موت کی فضیلت ہوئی جس کو میں نے انعام سے تعبیر کیا۔ باقی رہے اس کے آثار جن کے ترتب کے اعتبار سے^(۲) اس کا یاد کرنا علج قرار دیا گیا ہے۔ سو وہ یہ ہیں کہ موت کو جب کثرت سے یاد کرے تو دنیا سے دل اس کا سرد^(۳) ہو جائے گا اور دنیا کے بکھیرٹوں میں پڑنا پسند نہ کرے گا اور اس کی مؤید ایک نظیر^(۴) ہے وہ یہ کہ جس زمانہ میں طاعون پھیلا تھا اس وقت یہ حالت تھی کہ کام تو

(۱) دست لانے والی دوا (۲) مرتب ہونے کے اعتبار سے (۳) دن بھر جاتا ہے (۴) اس کی تائید میں ایک

دنیا کے سب کرتے تھے بازر والے، تجارت والے، زراعت والے، سب اپنا اپنا کام کرتے تھے مگر سب میں ایک سوناپن "تھا کہ کسی کام میں جی نہ لگتا تھا اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء واذا امسيت فلا تحدث في نفسك بالصبح (یعنی جب صبح کا وقت آوے تو شام کا انتظار مت کرو اور جب شام کا وقت آوے تو صبح کا انتظار مت کرو) کا مرتبہ ہر شخص کو بلا مجاہدہ حاصل تھا۔

طاعون اللہ کی رحمت ہے

یہ اثر کس چیز کا تھا صرف موت کے یاد رہنے کا اور اس حیثیت سے طاعون کا ایک رحمت ہونا ثابت ہوتا ہے مگر بعض لوگ جہل سے طاعون کو ملعون اور بعض غایت جہل شے طاعون بالالاف کہتے ہیں لیکن اوپر کی تقریر سے معلوم ہو گیا کہ طاعون خدا کی ایک رحمت ہے۔ دعا تو یہی کرو کہ طاعون نہ ہو کیونکہ مصیبت ہے لیکن اگر ہو جائے تو اس کو برا ہی نہ کہو کہ ایک رحمت ہے اور اس میں کچھ منافات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر شے کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ظاہر صورت تو طاعون کی مصیبت ہے اس اعتبار سے تو دعا کا حکم ہے اور حقیقت اس کی رحمت ہے۔ اس کے اعتبار سے اس سے نہ بھاگنے کا حکم ہے۔ اب لوگ اس سے بھاگتے ہیں اور پریشان ہوتے ہیں اور برا کہتے ہیں۔ پریشانی کی کیا بات ہے مقدر میں جو کچھ ہوگا واقع ہوگا۔ ہم لوگوں کا تقدیر پر پورا اطمینان نہیں

ور نہ پریشانی بالکل بھی نہ رہے۔ حضرت علیؓ جنگ صفین میں گھوڑے پر سوار تھے اور اسی حالت میں آپ سورہے تھے۔ کسی نے کہا کہ ایسی حالت میں آپ حمینان سے سورہے ہیں فرمایا کہ دو قسم کے دن ہیں ایک وہ جن میں موت لکھی ہوئی ہے ان میں ٹل نہیں سکتی پھر پریشانی کی کیا بات ہے۔ اللہ اکبر کس قدر توکل ہے۔ دوسرا قصہ ان کے معتمد ہونے کا بھی بیان کروں تاکہ کسی کو اس مسئلہ میں غلو اور غلط فہمی نہ ہو جائے۔

وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ آپ تقدیر پر ایمان لاتے ہیں فرمایا کہ ہاں اس نے کہا کہ اگر تقدیر پر ایمان ہے تو اس دیوار سے کود پڑو اگر مقدر ہوگا تو زندہ رہو گے ورنہ نہیں فرمایا کہ مجھ کو اپنے مولا کے استحسان لینے کا کب حق حاصل ہے جو کچھ مقدر میں ہے ہوگا تو وہی لیکن حق تعالیٰ سے عافیت طلب کرنا چاہیے اور احتیاط رکھنا چاہیے چنانچہ حدیث میں ہے۔ سلوا اللہ العافیتہ (اللہ تعالیٰ سے عافیت کی درخواست کرو) پس نہ طاعون سے اس قدر گھبرانا چاہیے جیسے کہ لوگ بھاگتے پھرتے ہیں کہ ایمان بالقدر کے منافی^(۱) ہے ورنہ مقام طاعون میں بے ضرورت گھسنا چاہیے بلکہ مشروع احتیاط^(۲) و دعائے عافیت کرنا چاہیے الحاصل جس طرح طاعون کے زانے میں تمام لذات سے دس برداشت ہو جاتا ہے اسی طرح ہر زمانہ میں موت کے ذکر سے تمام لذات سے دل سحر ہو جائے گا اور گناہ چھوٹ جائیں گے اور شہادت کا مرتبہ ملے گا وہ مزید براں اور راز شہادت کے ملنے میں یہ ہے کہ شہید پر تو ایک ہی مرتبہ تلوار چلی ہے اور اس ذکر

(۱) مسند تقدیر پر ایمان کے مفاد ہے (۲) بلکہ شریعت نے جو احتیاط بتائی ہے وہ عافیت کی دعا کرنا ہے

موت کو چونکہ بروقت نفس سے مقابلہ رہتا ہے اس لیے اس پر ہر دم تلواریں چلتی ہیں ایک جزو تو علل کا یہ ہوا۔

دوسرا جزو یہ ہے کہ مابعد الموت یعنی جزا و سزا کو یاد کرنا جس کا اصل مقام احرارِ آخرت ہے اور اصل مقام اس لیے کہا کہ دنیا میں بھی کسی قدر جزا و سزا ہو جاتی ہے چنانچہ رسالہ جزء الاعمال میں اس کو عقلاً و نقلاً ثابت کر دیا ہے ان العبیرۃ لیحرم الرزق بخطیئته یعملها یعنی بے شک بندہ رزق سے محروم ہو جاتا ہے یہ سب گناہ کے جس کو وہ کرتا ہے۔

گناہ کا اثر

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بعض دن گھوڑا شرارت کرتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ آج مجھ سے ضرور کوئی گناہ ہوا ہے چنانچہ سوچنے سے گناہ یاد آ جاتا ہے اور بعض دن گناہ کی وجہ سے بیوی بچے مجھ سے لڑتے ہیں یہ تو نافرمانی کی سزائیں ہیں اسی طرح فرمانبرداری پر جزائیں ملتی ہیں چنانچہ اس کے بعض آثار کی نسبت فرماتے ہیں۔

تو ہم گردان از حکم داور سیج

کہ گردن نہ پید ز حکم تو سیج

(تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی مت کرو تمہارے حکم سے بھی کوئی روگردانی نہ کرے گا)

حق تعالیٰ شانہ کی اطاعت کا اثر

چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک حکایت حضرت مولانا گُلجوہیؒ سے سنی کہ سارنپور میں ایک مکان تھا اس میں جن کا سخت اثر تھا جس سے وہ مکان متروک^(۱) کر دیا گیا تھا۔ اتفاق سے حضرت حاجی صاحبؒ پر ان کلیر^(۲) سے واپس ہوتے ہوئے سارنپور تشریف لائے تو مالک مکان نے حضرت کو اسی مکان میں ٹھہرایا کہ حضرت کی برکت سے جن دفع ہو جائیں گے۔ رات کو تہجد کے واسطے جب حضرت اٹھے اور معمولات سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص سامنے آکر بیٹھ گیا۔ حضرت کو حیرت ہوئی کہ باہر کا آدمی اندر کوئی نہ تھا اور کندھی لگی ہوئی ہے پھر یہ کیسے آیا حضرت نے پوچھا کہ تم کون ہو اس نے کہا حضرت میں وہ شخص ہوں جس کی وجہ سے یہ مکان متروک ہو گیا یعنی جن ہوں مدت دراز سے حضرت کی زیارت کا مشتاق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آج میری تمنا پوری کی حضرت نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور پھر مخلوق کو ستاتے ہو تو بہ کرو حضرت نے اس کو توبہ کرائی پھر فرمایا کہ دیکھو سامنے حافظ صاحب تشریف رکھتے ہیں ان سے بھی ملے ہو۔ اس نے کہا نہ حضرت! ان سے ملنے کی ہمت نہیں ہوتی وہ بڑے صاحب جلال ہیں ان سے ڈر لگتا ہے۔ صاحبو! اللہ کی فرمانبرداری وہ شے ہے کہ جن وانس سب مطیع ہو جاتے ہیں۔

حکایت حافظ غلام مرتضیٰ صاحب مجذوبؒ

حافظ غلام مرتضیٰ صاحبؒ ہمارے یہاں ایک مجذوب تھے مگر ایسے پاک باز

(۱) اعلیٰ چور دیا گیا (۲) جگہ کا نام ہے

محبوب تھے کہ کبھی ننگے نہ ہوتے تھے اور سلیقہ دار اس قدر تھے کہ ایک مرتبہ جلال آباد تشریف لے گئے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ نے بڑی تکلیف فرمائی فرمایا یوں نہ کہو مجھ کو تکلیف کرنے کی کیا غرض تھی بلکہ یہ کہو کہ حضرت آپ نے کرم فرمایا۔ ان کی حکایت سنی ہے کہ حافظ صاحب ایک مرتبہ جنگل میں کھڑے تھے اور بھیڑیے دونوں طرف ان سے کھلاڑیاں کر رہے تھے۔ میرے نانا صاحب بھی وہاں تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت یہ بھیڑیے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کون بزرگ ہیں کون نہیں۔ فرمایا کہ یہ آدمیوں کو نہیں کھایا کرتے ان کی غذا جانور ہیں ہم کو کچھ نہ کہیں گے۔

بعض اہل کشف بزرگوں کے واقعات

اس پر مجھ کو شاہ عبدالعزیزؒ کی حکایت یاد آگئی کہ شاہ صاحب جامع مسجد میں آتے تھے تو عمار آنکھوں پر جھکا لیا کرتے تھے اور ادھر ادھر نظر نہ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے اس کا سبب دریافت کیا شاہ صاحبؒ نے اپنا عمارہ اس کے سر پر رکھ دیا دیکھا کہ جامع مسجد میں بزدلوں چار آدمیوں کے سب گدھے کتے بندر بھیڑیے پھر رہے ہیں فرمایا کہ اسی وجہ سے میں اس صورت سے آتا ہوں۔ مجھ کو سب کتے بندر وغیرہ نظر آتے ہیں اور طبیعت پریشان ہوتی ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ جس شخص کے اندر جو خصلت غالب ہوتی ہے اہل کشف و اہل بصیرت کو وہ شخص اس جانور کی شکل میں نظر آتا ہے جس کے اندر وہ خصلت ہو مثلاً اگر کسی میں ستانے کی صفت ہے وہ کتے کی شکل میں نظر آئے گا اگر تعلق مذموم^(۱) کی خصلت ہو

توبلی کی شکل میں۔ جیگر می^(۱) ہو تو لوڑی کی شکل میں مستحل ہوگا اور قیامت میں بھی انہیں شکوں میں اٹھیں گے۔

دیوبند میں ایک بزرگ تھے مولانا فرید الدین صاحب اور ان کے زمانہ میں ایک مجذوبہ تھی۔ وہ ننگی پھرا کرتی تھی۔ اس سے کسی نے پوچھا کہ تو پردہ کیوں نہیں کرتی اس نے کہا کہ بیلوں گدھوں سے پردہ کا حکم نہیں ہے۔ ایک روز وہ حسب عادت ننگی پھر رہی تھی۔ اسی حالت میں اس نے کہا کہ کپڑا لاؤ مرد آگیا۔ تعویڑی دیر میں مولانا فرید الدین شریف لائے۔ پس حقیقت میں آدمی تو فرمانبردار ہی ہے باقی تو سب جانور ہیں۔

کشف کوئی بڑا کمال نہیں

ان حکایات سے کوئی کشف کو بڑا کمال نہ سمجھا جائے کیونکہ جانور بھی صاحب کشف ہوتے ہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ عذاب قبر کے بارے میں حدیث میں آیا ہے۔ یسمعه کل دابة غیر الثقلین (یعنی اس کو سوائے جن انسان کے ہر حیوان زمین پر چلنے والا سنتا ہے) پس جو لوگ طالب کشف ہیں وہ نادان ہیں یہ کوئی کمال مقصود نہیں کمال تو رضا اور قرب ہے یہ حکایتیں صرف اس کی تائید میں لایا ہو کہ اطاعت کرنے والوں کو دنیا میں بھی یہ نعمتیں مل جاتی ہیں کہ مخلوق ان کی عظمت اور اطاعت کرنے لگتی ہے الحاصل بندہ مطیع کی سب شے مطیع ہو جاتی ہے حتیٰ کہ کفار کے دل میں بھی اس شخص کی محبت ہوتی ہے۔

دنیا میں اطاعت کے ثمرات

یہ جزائیں ہیں فرمانبرداری کی جو دنیا میں ملتی ہیں لیکن اصل مقام اس کا ما بعد الموت ہے۔ اسی واسطے واللہ خبیر بما تعملون (اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے) سے ما بعد الموت کو یاد دلاتے ہیں اور تا بعد الموت^(۱) قبر سے شروع ہو جاتا ہے اس لیے قبر سے جنت دوزخ میں جانے تک جو حالات پیش آنے والے ہیں سب کو فرداً فرداً سوچے کہ مجھ کو مرنا ہے اور قبر میں جانا ہے وہاں منکر نکیر^(۲) آئیں گے وہ سوال جواب کریں گے۔ اس کے بعد حشر ہوگا وہاں جو شدت ہوگی اس کو یاد کرے کہ زمین گرم ہوگی اس پر پاؤں نہ رکھے جائیں گے کہیں سایہ نہ ہوگا۔

سات آدمی سایہ عرش الہی میں

سوائے عرش کے اور وہ سایہ سات آدمیوں کو ملے گا ایک ملک عادل دوسرے شاب عابد تیسرے جس کا دل مسجد میں زیادہ لگتا ہو چوتھے جو خلوت میں خدا کو یاد کر کے رونے لگے پانچویں جن دو شخصوں میں اللہ کے واسطے محبت ہو چھٹے جو خفیہ خیرات کروے ساتویں جس کو کوئی عورت حسین بلائے اور وہ خدا کے خوف سے رک جائے۔ پھر سوچے کہ حساب کا وقت آئیگا ہر شخص کو الگ الگ بلایا جائے گا وہاں کوئی وکیل، بیرسٹر نہ ہوگا۔ جب یہاں کی عدالت کی جرح کا تحمل نہیں تو وہاں کیسے ہوگا۔ پھر صراط^(۳) کو یاد کر کے اس پر چلنا ہوگا وہ تلوار سے

(۱) مرنے کے بعد کائنات (۲) دو فرشتے جو سوال کریں گے ان کے نام ہیں (۳) پل صراط

زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا اس کے بعد جہنم اور اس کے قسم قسم کے عذاب کو یاد کرے۔ غرض ایک وقت مقرر کر کے اسی طرح ہمیشہ بلا ناغہ کم از کم ایک گھنٹہ یہ مراقبہ کر لیا کرے اول اول تکلف سے یہ یاد ہوگی اور خاص وقت میں یاد ہوگی پھر رفتہ رفتہ اکثر وقت میں اور ہر وقت یہ حالت پیش نظر رہنے لگے گی اور معصیت^(۱) چھوٹ جائیگی۔ چنانچہ جن لوگوں پر یہ حالت غالب ہو جاتی ہے ان سے کبھی نافرمانی نہیں ہوتی۔

ایک بادشاہ اور فقیر کی حکایت

یہاں مجھ کو ایک حکایت یاد آگئی ایک بادشاہ ایک فقیر کے معتقد تھے اور ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور ہمیشہ دیکھتے تھے کہ وہ فقیر ایک گولی روز کھاتے ہیں۔ بادشاہ نے ایک دن پوچھا کہ حضرت یہ گولی کیسی ہے فقیر نے ایک گولی بادشاہ کو بھی دیدی۔ بادشاہ نے وہ گولی کھالی شب^(۲) کو اس کے سبب شہوت کا جوش ہوا کہ محل میں جس قدر بیبیاں، لونڈیاں تھیں سب سے قربت کی لیکن ان سے بھی تسلی نہ ہوئی۔ بادشاہ کے دل میں وسوسہ گزرا کہ میں نے یہ گولی آج ہی کھائی ہے میری یہ حالت ہوئی اور یہ فقیر روزانہ کھاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس عورتیں آتی ہیں اور اس وسوسہ نے اس کو زیادہ پریشان کیا۔ ان بزرگ کو بدزیمہ کشف اس خطرہ کی اطلاع ہوئی جب دوسرے روز بادشاہ آئے تو چاہا ایک تدبیر لطیف سے اس کا وسوسہ زائل کریں۔ ان حضرات کی عادت ہوتی ہے

کہ زبان سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ترکیب سے مرض زائل کرتے ہیں^(۱)۔

حضرت فرید الدین عطار کا اپنے مرید عشق مجازی کا علاج

اس پر ایک حکایت یاد آگئی۔ حضرت فرید الدین عطار کے ایک مرید تھے حضرت کے گھر ایک باندی تھی یہ مرید صاحب اس پر فریفتہ ہو گئے حضرت کو اطلاع ہوئی۔ زبان سے کچھ نہیں فرمایا اس باندی کو دستوں کی دوا کھلا دی اس کو دست آنے شروع ہوئے اور حکم دیا کہ ان دستوں کو ایک جگہ جمع رکھو اور اس باندی کی حالت یہ ہوئی کہ اس کے چہرے کا رنگ ارغوانی بالکل پیلا ہو گیا اور چہرے پر بے رونقی ہو گئی اس کے بعد اس باندی کے ہاتھ اس مرید کے پاس کھانا بھیجا اور چھپ کر دیکھا کہ اس کو دیکھتا ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ اس طرف رخ بھی نہیں کرتا حضرت نے فرمایا کہ ہم کو تمہارے تعلق کی اطلاع ہے۔ اب اس کو کیوں نہیں دیکھتے یہ تو وہی ہے اب ہم بتلاتے ہیں کہ اس میں کونسی شے کم ہوئی ہے اور حکم دیا کہ وہ کونڈا لاؤ جس میں دست جمع ہیں وہ کونڈا آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارا محبوب یہ ہے۔

حضرت معروف کرچی کا غیبت کرنے والے پر عتاب
حضرت معروف کرچی کی حکایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے عرض کیا

(۱) واقعات کے بعد یہ ترکیب آ رہی ہے

کہ آپ کا فلاں مرید شراب خانہ میں مست پڑا ہے۔ حضرت کو غیبت کرنا اس کا برا معلوم ہوا اور اس کو سزا دینا چاہا زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا۔ فرمایا کہ جاؤ اس کو کندھے پر اٹا لو۔ یہ بات چکرائے اور پھٹائے لیکن کرتے کیا پیر کا حکم تھا۔ شراب خانے میں گئے اور اس کو کندھے پر لا رہے تھے اور لوگ کہتے تھے کہ بھائی ان صوفیوں کا بھی کچھ اعتبار نہیں دیکھو دونوں نے شراب پی ہے۔ ایک کو تو نشہ ہو گیا اور دوسرے کو اب ہو گا۔ دونوں اپنا عیب چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

موت کو پیش نظر رکھنے کے آثار

چنانچہ اس فقیر نے بھی اس بادشاہ سے زبان سے تو کچھ کہا نہیں ایک لطیف تدبیر سے اس کا علاج کیا۔ وہ یہ کہ اس فقیر نے یہ بات کہی کہ ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ تمہاری موت قریب ہے۔ چالیس دن کے اندر اندر تم مر جاؤ گے۔ یہ بات سن کر بادشاہ کا رنگ فق ہو گیا اور چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ہاتھ پاؤں میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی۔ اور جھرنّا شروع ہو گیا۔ فرمایا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں مرنا تو ایک دن ہے ہی اب تم کو چاہیے کہ اپنا انتظام کرو۔ اہل حقوق کے حقوق ادا کرو اور خود گوشہ نشین ہو کر اللہ کی یاد کرو اور یہ گولیاں کھالیا کرو۔ ان سے عبادت کی طاقت رہے گی۔ بادشاہ وہاں سے اٹھ کر قلعہ میں آئے وزراء، امراء کو بلا کر جملہ امور سلطنت کا انتظام کیا ولی عہد کو سلطنت سپرد کر کے خود ایک حجرے میں بیٹھ گئے۔ جب چالیس روز گزر گئے اور مرے نہیں تو خوش ہوئے لیکن حیرت اور تعجب ہوا کہ شاہ صاحب نے تو پیشین گوئی کی تھی یہ بات کیا ہے؟ خوش خوش

شاہ صاحب کے پاس گئے اور عرض کیا کہ حضرت موت تو نہیں آئی۔ فرمایا کہ گولیاں کھائیں کھا کہ کھائیں۔ پوچھا کچھ اثر انہوں نے کھا اثر کیا کرتیں موت تو سامنے گھر می رہتی تھی فرمایا کہ تم کو تو موت میں چالیس روز کی مہلت بھی تھی باوجود اس مہلت کے تم کو کچھ اثر نہیں کیا اور فقیر کو تو ایک گھر می کی بھی توقع نہیں پھر مجھ پر ان کا کیا اثر ہوتا۔ تو تمہارا وہ گمان کیسے ہو سکتا ہے بادشاہ اپنے دوسرے پر شرمندہ اور نادام ہوا اور معذرت کی۔ حضور ﷺ استغی کے بعد تیسم فرما لیتے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ (پانی تو موجود ہے فرمایا کہ کیا معلوم کہ پانی آنے تک زندہ بھی رہوں۔

صاحبو! موت کو پیش نظر رکھنے کے یہ آثار ہیں۔ اب کبھی کوئی اگر اس معاملے میں اختیار کرے گا۔ اب بھی وہی نفع ہوگا۔ یہ حاصل ہے اس آیت کا۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی اصلاح کی ضرورت ہے اور اصلاح کے واسطے مراقبہ موت کا نسخہ استعمال کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب یہ مراقبہ صحیح ہو جائے گا تو غلطی سے بھی گناہ نہ ہوگا۔ اس وقت جو مجھ کو بیان کرنا تھا۔ بیان ہو چکا۔ امید ہے کہ اس پر عمل کیا جائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں آمین

(برحمتک یا ارحم الراحمین)

